

رگھو جی بھو سلے حد درجہ ایماندار تھا؟

رگھو جی بھو سلے ناگ پور کام رہٹھے حکمران تھا۔ اذلی طور پر سفاک اور بے حس انسان۔ عام لوگوں پر ایسے ایسے ظلم ڈھاتا تھا جس سے تاتاری بھی پناہ مانگتے۔ اسکے پاس انتہائی تیز حرکت کرنے والا لشکر تھا۔ رگھو جی بھو سلے نے اپنی افواج کی تربیت حیرت انگیز طرز پر کر رکھی تھی۔ کڑی ترین مشق اور فوری حملہ کرنے کی استطاعت پر حدرجہ توجہ دیتا تھا۔ اسکے ایک کمانڈر کا نام ہمسکر پنڈت تھا۔ تمام فوجیوں کی ظالما نہ تربیت کی ذمہ داری اسی شخص کی تھی۔ یہ کرتے کیا تھے، جاناحد درجہ ضروری ہے۔ بنگال کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں پر بھلی کی طرح حملہ آور ہوتے تھے۔ تمام انسانوں کو کھڑے کھڑے قتل کر دیتے تھے۔ بچے، عورتیں، مرد، جوان، بوڑھے، کسی قسم کی تفریق کی بغیر تمام کی گردان اڑا دیتے تھے۔ انکے نزد یک مذہب کی بھی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کیا ہندو اور کیا مسلمان۔ کوئی بھی گردن زنی سے محظوظ نہیں رہتا تھا۔ سن 1740 زیادہ دو نہیں ہے۔ صرف پونے تین سو برس پہلے کی بات ہے۔ آبادی کوفنا کرنے کے بعد لشکر انتہائی چا بکدستی سے لوٹ مار کرتا تھا۔ مرہٹے ہر قیمتی چیز قبضے میں کر لیتے تھے۔ جس سرعت سے حملہ آور ہوتے تھے اسی رفتار سے غائب ہو جاتے تھے۔ بنگال میں لوگ رگھو جی بھو سلے کے نام سے کانپتے تھے۔ اس لوٹ مار اور حملہ آوری کو مقامی زبان میں بارگرگری کہا جاتا تھا۔ قیامت تو یہ تھی کہ بنگال کا گورنر، نواب علی وردی خان بھی انکے سامنے بے بس نظر آتا تھا۔ اسکی فوج نے کئی بار رگھو جی بھو سلے کے لشکر کو ہرا یا مگر بھر پور شکست نہ دے سکا۔ مرہٹہ لشکر، نواب کی فوج پر یک دم یلغار کرتا تھا اور لوٹ مار کر کے غائب ہو جاتا تھا۔ انکی لائچ کی انتہائی تھی کہ اگر معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر یا شخص کے پاس مال و دولت ہے تو یہ فوراً حملہ کر کے شہر کے شہر اجاڑ دیتے تھے۔ امیر لوگوں کے سرکاٹ کر دروازوں پر لٹکا دیتے تھے۔ بنگال کا دارالحکومت مرشد آباد بھی انکی لوٹ مار سے نہ بچ پایا۔ بنگال کے امیر ترین شخص کا نام جگت سیٹھ تھا۔ اس نے ساہو کاری اور سود کا زبردست نظام بنایا ہوا تھا۔ اسکی ذاتی دولت، بینک آف انگلینڈ کے اثاثوں سے زیادہ تھی۔ مارواری سیٹھ بھی بھو سلے کے ہاتھوں لٹ گیا اور اسکی آنکھیں نکال کر قتل کر دیا گیا۔ مارشل نامی محقق نے لکھا ہے کہ بھو سلے کے لشکر نے چار لاکھ انسانوں کو قتل کیا۔ جو لوگ اپاچ کیے گئے انکا کوئی شمار موجود نہیں ہے۔ بنگالی زبان میں ایک نظم تھی۔ جس کا ترجمہ کچھ اس طرح کا ہے۔

چڑیاں اناج کھا گئیں۔ اب رگھو کو ٹیکس کہاں سے دینے گے!

ہماری تمام گندم تو ختم ہو گئی۔ اب رگھو کو ٹیکس کہاں سے دینے گے!

کلکتہ جیسے شہر کو لوٹ مار سے بچانے کیلئے اسکے اردو گردکھڑا کھودا گیا تھا تاکہ مرہٹہ لشکر لوٹ مار کیلئے آبادی میں داخل نہ ہو سکے۔ بہر حال کوئی بھی احتیاطی تدبیر، بنگال کو رگھو جی بھو سلے کے ظلم سے محفوظ نہیں رکھ پائی۔ دس برس میں اس معاشی دہشت گرد نے بنگال کی ایښٹ سے ایښٹ بجا کر رکھ دی۔ حد تو یہ تھی کہ انگریز حکمران تک اسے پیسے دیکر اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

شاہزادہ ہن میں ہو کہ یہ مرہٹوں کے لشکر کی لوٹ مار اور ایک رہنمن کے قصے سے ہمارا کیا واسطہ۔ ہو سکتا ہے کہ آپ درست سوچ رہے ہوں۔ پر عجیب بات ہے کہ مجھے تہتر سالہ پاکستان کے اس تصحیلی نظام اور رگھو جی کی لوٹ مار میں حد درجہ ممالک نظر آتی ہے۔ ممالک

نہیں۔ بلکہ حیرت انگیز کیسانیت نظر آتی ہے۔ قیام پاکستان کے وقت، سیٹلمنٹ کے ذریعے جوڑا کہ زندگی برپا کی گئی، اسے مجبوری میں نظر انداز کر کے گزشتہ تین پنٹس برس کے طرزِ حکمرانی کو پر کھیے۔ ہر سیاسی یا غیر سیاسی حکمران ہمیں انتہائی کامیابی سے بیوقوف بنا کر اپنے اشاؤں میں محیر العقول اضافہ کرتا رہا ہے۔ ہر طرح کی جذباتی فضا قائم کر کے، بھرپور طریقے سے پاکستانیوں کو لوٹا رہا ہے۔ آخر میں خاموش ہو کر یا تو ملک سے باہر چلا گیا۔ یا پاکستان ہی کے کسی بڑے شہر میں گمانی کی پُرتعیش زندگی گزارنی شروع کر دی۔ ویسے بادشاہ زیادہ بدنام ہوئے۔ مگر مصاحب اور درباری سچھل رہے۔ کسی بھی جگہ نام آئے بغیر، پردہ داری سے حلوامانڈ اچلتا رہا جو ہنوز قائم ہے۔ صرف یادداہنی کیلئے عرض کروں گا۔ کیونکہ ہر واقعہ، ہر جزو تمام صاحب علم لوگوں کے ذہنوں پر نقش ہے۔ کہاں سے شروع کروں۔ خیالات کا اسپ عربی پتہ نہیں، کس کس نامعلوم جنگل میں زبردستی یجا تا ہے۔ 1988 کے ایکش کو یاد کیجئے۔ گلتا تھا کہ ملک کی قسمت بدلنے والی ہے۔ قوم کی تقدیر، مسلمان دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظم کے سپرد کر دی گئی۔ پر ہوا کیا۔ بات کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ شرم نہیں، دکھ ہوتا ہے۔ مرد اول کی مالیاتی بے ضابطگیوں کے قصے پہلے میں پچیس دن میں لوگوں کے سامنے آنے شروع ہو گئے۔ 1977 سے 1988 تک کا جبری روزہ جب توڑا گیا تو قوم کی چیزیں نکل گئیں۔ ہر طرف سودا، منافع، کرپشن، ڈاکہ زندگی کے قصے آگ کی طرح بڑھ کنے لگے۔ ہمارے جیسے آئیڈی اسٹ لوگ گنگ ہو کر رہ گئے۔ ایوان وزیر اعظم میں ایسے ایسے جرائم پیشہ سوداگروں کی آمد و رفت شروع ہو گئی، جو کسی قسم کی تکریم کے قابل نہیں تھے۔ انتہاد کیجئے کہ ایک شخص سے پیسہ وصول کرنے کیلئے، اسکی ٹانگ پر بم باندھ کر بینک بھیج دیا گیا۔ قصے تو یہاں تک مشہور ہوئے کہ لندن کے سرے پیلس بھی عوام کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ دھوں جھونکنے کیلئے، کبھی ملکیت سے انکار اور پھر اقرار، یہ سب کچھ تمام لوگ جانتے ہیں۔ مگر صرف آپکے سامنے معاملات یاداشت کی تازگی کیلئے رکھ رہا ہوں۔ پنجاب میں میدان پاکستان نے بطور وزیر اعلیٰ، کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایں ڈی اے جوسونے کی چڑیا گردانا جاتا تھا، اسے معاشری جرائم کا کالا کو ابنا دیا گیا۔ ہر طرف وہی لوٹ مار تھی جو اس خاندان کا خاصہ رہا ہے۔ پر دھگر اتو 90 کو ذہن میں لا یئے۔ قوم سے کیا کیا وعدے کیے گئے۔ ہم نقلی دودھ اور جعلی شہد کی نہریں بہادرینگے۔ معاف کیجئے اصلی دودھ اور اصلی شہد کی نہریں۔ مگر وزیر اعظم بنے تو ”قرض اُتارو، ملک سنوارو“ کے ذریعے لوٹ مار کو معرفت کے درجے پر پہنچا دیا گیا۔ موڑوے کا اعلان ہوا تو غیر ملکی محققین نے انکی کرپشن پر کتابیں لکھ دیں۔ جنکا بہر حال جواب تیس برس گزرنے کے بعد آج تک سامنے نہیں آپایا۔ ہر ترقیاتی منصوبہ میں ”اللہ کے فضل و کرم“ سے انتہائی مقدس فقرے کو استعمال کر کے لوٹ مار کو اونچ ٹریا تک پہنچا دیا۔ سرکاری ملازمین میں پسندیدہ افسران کو معاشری ڈاکہ زندگی کی کھلی چھٹی دیدی گئی۔ نتیجہ پھر صفر در صفر۔ عوام، مونہہ کھول کر صاف پانی، معیاری تعلیم اور صحت کی سہولتوں کیلئے ہمیشہ کی طرح خوار ہوتی رہی۔ قصے در قصے، کہانیاں در کہانیاں، 1985 سے لیکر آج تک ہماری کم نصیبی کے دروازے پر بال کھولے موجود ہیں۔

گزشتہ دس بارہ سالوں میں بھی کمال کی بے ایمانیاں کی گئیں۔ عجیب و غریب طریقے سے ایک ایسا شخص ملک کی تقدیر کا مالک بن گیا، جسے کراچی شہر میں کوئی ایک ہزار قرضہ دینے کا روادار نہیں تھا۔ قصرِ صدارت کے دروازے معاشری دلالوں کیلئے کھول دیے گئے۔ کوئی

لو ہے کا بادشاہ بن گیا۔ تو کوئی چاول کی دنیا کا شہنشاہ۔ سرکاری جہاز پر ایک سوار سے زیادہ دوہی کے دورے کیے گئے۔ یہ سب کچھ لوٹے ہوئے مال و دولت کو محفوظ رکھنا نوں پر پہنچانا تھا۔ وہی خوف کا یہ عالم کہ قصر صدارت کے ذاتی بیڈروم میں بلٹ پروف بکسہ بنوایا گیا جس میں موصوف سوتے تھے۔ ڈریہ تھا کہ کوئی قتل نہ کر دے۔ یقین نہیں آتا تو ایوان صدر کے کسی بھی پرانے ملازم سے پوچھ کر دیکھ لیں۔ ایسے ایسے انکشافت ہونگے کہ صرف ایک گھنٹہ میں غم سے آپکے سر کے بال سفید ہو جائیں گے۔ عوام کو مکمل بدحالت تک پہنچا کر، اٹھارویں ترمیم کالائی پاپ دیدیا گیا۔ اندر کا مقصد صاف تھا کہ وسائل کارخانے پہنچانے کی طرف کر دیا جائے، تاکہ مرکز سے کچھ مانگناہ پڑے۔ یہ سب کچھ، اصول پسندی، جمہوریت پر لازوال ایمان اور لوگوں کی بھلائی کے نام پر کیا گیا۔ بادشاہ کو تو جانے دیجئے۔ انکے مصائب نے وہ وہ گل کھلانے کے خدا یاد آگیا۔ ہاں، اس میں میرے پیٹی بھائی یعنی سرکاری ملازم بھی شامل تھے۔ آبرو باختہ خواتین کے گروہ قائم کیے گئے۔ جووز یہ داخلہ کی آنکھ یا شاندنا ک کے نیچے کرنی کی سمجھنگ میں مصروف تھے۔ پنجاب میں بردار خورد نے بھی طوفانی طریقے سے اپنا میرٹ نافذ کر دا۔ لاڑے افسروں کی ٹیم بنائی۔ انکی تختواہ، دس سے بیس لاکھ ماہوار مقرر کی گئی۔ پھر انہی کارندوں کے ذریعے بجلی کے کارخانوں، سڑکوں، گندم، بلکہ ہر شعبہ میں مال کمایا گیا۔ جعلی اکاؤنٹس کے ذریعے کھربوں روپے کی منی لانڈرنگ کی گئی۔ موصوف نے تمام غیر قانونی کام شفاف میرٹ کے تحت کیا۔ یہ سب حرکات لوگوں کی فلاح کیلئے کی گئیں۔

اب تحریک انصاف کے لوگوں کی باری ہے۔ انکی کرپشن اور انکے ساتھ مسلک افسروں کی انتہائی منصفانہ کرپشن کے چرچے ہر طرف ہیں۔ ہر روز، کوئی نہ کوئی بھی انک بات سامنے آتی ہے۔ غربت مٹاو پروگرام عروج پر ہے۔ ویسے ایک عرض ہے۔ رگھوجی بھوسلے لوٹ مار سے پہلے تمام لوگوں کو ایمانداری سے قتل کر دیتا تھا۔ اسے صرف پیسے سے دچپسی تھی۔ مگر آج کے رگھوجی بھوسلے لوگوں کو پیسہ کمانے کیلئے زندہ رکھتے ہیں۔ انہیں ظالمانہ طریقے سے سرکاری اور غیر سرکاری ٹیکس کا نشانہ بناتے ہیں۔ عام لوگ اگر سانس لیں گے تو ہی، آج کے مرہٹہ لشکر کی خواہشات پوری ہو گئیں۔ اگر یہ بچارے عوام ظلم کے ہاتھوں مر گئے، تو پھر دہشت گردوں کا یہ معاشری لشکر کہاں جائیگا۔ اسیلے، اس ملک میں سرجھا کر صرف سانس لیتے رہیے۔ یہی آپکا ادنیٰ سامقدار ہے۔ ویسے میری نظر میں رگھوجی بھوسلے فکری طور پر حد درجہ ایماندار تھا؟ کم از کم قتل کر کے قصہ تو ختم کر دیتا تھا۔

راوی منظر حیات